سیرتِ طیّبہ کا پیغام
عصرِ حاضر کے نام

اسلامی دُنیا کے معروف مبلغ اور دانش ور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۳۰ اپریل ۱۹۹۲ء کو اقبال اکادمی پاکستان کے زیرِ انتظام لاہور کے الحمرا ہال میں ایک تقریر فرمائی، جس کا عنوان تھا " سیرت طیبہ کا پیغام عصرِ حاضر کے نام"۔ اس تقریر کی غیر معمولی اہمیت کے پیشِ نظر ہم اسے المعارف میں شائع کر رہے ہیں۔ (ادارہ)

سیرتِ نبیؐ کا پیغام زمانہ حال کے مطابق ایک ایسا موضوع ہے جس کا مفہوم مختلف لوگوں کے لیے مختلف ہے۔ اس لحاظ سے اس وسیع موضوع سے متعلق کچھ بیان کرنا آسان نہیں ہے۔ کچھ ہچکچاہٹ یہ ہوتی ہے کہ سیرت طیبہ کے بے کنار سمندر میں سے کیا چیز منتخب کر کے آپ کے سامنے پیش کی جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک حل یہ کیا جا سکتا ہے کہ سیرت النبی کے آغاز کے سلسلے میں آج کے ماحول اور دُنیا پہ نظر ڈالیں، یعنی حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دُنیا کو کس حالت میں پایا، اور پھر اُس کی اصلاح کے لیے خدا کے احکام کے مطابق کیا کام انجام دیے۔ یہ شاید ہمارے لیے ایک نمونہ ہی بنے گا کہ آیا زمانہ حال کے حالات اور آغازِ عہدِ نبوت کے حالات یکساں ہیں یا مختلف ہیں۔ اگر یکساں ہیں تو وہ حل ہمارے لیے کام دے گا اور اگر یکساں نہیں ہیں تو جزواً اسوۂ حسنہ کی چیزوں سے ہم استفادہ کر سکیں گے اور نئی چیزوں کے لیے شاید ہمیں کوئی نئی تدبیر اختیار کرنی پڑے گی، جس کے متعلق میں آپ سے وہ مشہور حدیث بیان کر سکتا ہوں، جس سے آپؐ واقف ہیں۔

ایک مرتبہ حضورؐ نے انصار کے ایک شخص (معاذ بن جبل) کو منتخب فرمایا اور یمن کے گورنر کے طور پر بھیجا، جب وہ رخصتی سلام کے لیے حاضر ہوئے تو رسول اللہؐ نے اُن سے پوچھا:

اے معاذ! تمھارے پاس اگر مقدمات آئیں تو تم کس طرح اُنھیں حل کروگے؟ انھوں نے فوراً جواب دیا:

جیسے قرآن میں احکام ہیں۔

جواب بالکل صحیح تھا، لیکن رسول اللہ کی دانست میں وہ جواب ناکافی تھا، اس اعتبار سے کہ اگر صرف وہ جواب اور لوگوں کے سامنے آئے تو شاید وہ اس سے استفادہ نہ کرسکیں، اس لیے آپؐ نے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ:۔

اگر تم قرآن میں کوئی حکم نہ پاؤ تو کیا کروگے؟

اس جواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو یہ ہے کہ میں یا آپ نہیں، بلکہ رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ یہ ممکن ہے کہ بعض تفصیلیں اور ذیلی باتیں قرآن مجید میں نہ ملیں۔ یہ خیال نہ کرنا کہ قرآن میں ہر چیز موجود ہے، اہم چیزیں ضرور ہیں، لیکن ہر چیز ملے، یہ ضروری نہیں، اس لیے حضرت معاذؓ سے پوچھا کہ:۔

اگر قرآن میں وہ معاملہ نہ ملے تو کیا کروگے؟ انھوں نے فوراً جواب دیا کہ:۔

اس صورت میں مَیں سنّت کے مطابق کام کروں گا۔ آپؐ کا جو طرزِ عمل رہا ہے، آپؐ کے جو اقوال ہیں، میں ان کے مطابق کام کروں گا۔

یہ جواب بھی ٹھیک تھا، اس میں بھی وہی نکتہ پیشِ نظر رہا اور حضورؐ نے پوچھا کہ:۔

اگر تم سنّت میں بھی نہ پاؤ تو کیا کروگے؟

یہ چیز خاص کر زمانۂ مابعد کے لیے ہوتی ہے کہ عہد نبوی موجود نہ ہو، اس کے بعد کے زمانے آئیں اور لوگ براہِ راست رسول اللہؐ سے نہ پوچھ سکتے ہوں تو کیا کریں گے؟ اس لیے یہ سوال بہت اہم تھا اور یہ دانستہ طور پر کہنا چاہیے کہ رسول اکرمؐ نے یہ سوال کیا اور حضرتِ معاذؓ نے اس کا جو جواب دیا، پہلے وہ اور اس پر رسول اللہؐ کا ردعمل، یہ دونوں

ہمارے لیے سبق آموز ہیں۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا کہ:۔

اگر قرآن و حدیث میں تفصیل نہ ملے تو میں اپنی ذاتی رائے سے کوشش کروں گا اور کوئی جدوجہد نظر انداز نہ کروں گا۔ اجتهد برأئ ولا آلو ۔

اس جواب پر رسولِ اکرمؐ کا ردِ عمل سبق آموز ہے۔ آپؐ آسمان کی طرف، اللہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ:۔

" اے اللہ تیرے رسولؐ کے رسول نے جو جواب دیا ہے وہ مجھے پسند ہے، میں اس پر خوش ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ وہ ٹھیک جواب ہے ۔

آدمی کو چاہیے کہ اوّلاً قرآن و حدیث پر نظر ڈالے، اپنی گتھی کے حل کے لیے، اس کے بعد ہر شخص کو بلا استثنا کہنا چاہیے کہ حق بات یہ ہے کہ خدا نے اُسے جو عقل عطا کی ہے، خدا نے اُسے جو صلاحیتیں دی ہیں، اُن کی بنا پر جو چیز بھی اچھی ہو اسے اختیار کرے عمداً بُری چیز کو اختیار نہ کرے ۔ کم ہی لوگ ہوں گے جو عمداً بُری چیز اختیار کرتے ہوں ۔ بہر حال خدا کی بیان کردہ چیزوں کے بعد ہم خدا ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں، اپنی انفرادی صلاحیتوں کے مطابق۔ اے اللہ مجھے سیدھے راستے پر چلا، اے اللہ مجھے ایسی بات کی تلقین کر جس میں تیری رضامندی ہے۔

تو اس طرح وہ بھی بالواسطہ خدائی احکام بن جاتے ہیں اس معنی میں کہ اگرچہ پیغمبر جیسی شخصیت کے ذریعے سے وہ ہم تک نہیں پہنچے، ہم عام انسانوں کی حیثیت سے خدا ہی کی عطا کردہ صلاحیتوں کے مطابق خدا ہی کی طرف رجوع ہو کر، جو حاضر و ناظر اور راستہ بتلانے والا ہے، اس کے ہاں درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں صحیح راستہ بتائے ۔

اس کے بعد میں دوسرے پہلو پر آتا ہوں ۔

عہدِ نبوی کے آغاز میں دُنیا کی صورتِ حال

"عہدِ نبوی میں دُنیا" ایک وسیع موضوع ہے۔ اگر صرف یہ پوچھا جائے کہ آپؐ کے وطن میں یعنی مکہ معظمہ میں کیا صورتِ حال تھی تو (اسے بیان کرنا) شاید آسان ہے، لیکن

یہ کہنا کہ ساری دُنیا میں کیا حال تھا اتنا آسان نہیں رہتا ، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جزیرہ نمائے عرب کے اندر ایک ابتری پائی جاتی تھی ۔ سینکڑوں قبیلے تھے جو روزانہ آپس میں لڑائی بھڑائی کیا کرتے تھے - اُن میں اخلاقی برائیاں بھی تھیں اور سیاسی بدتمیزی بھی تھی کہ آپس میں لڑ کر اپنے آپ کا بھی نقصان کریں اور اہلِ ملک کا بھی نقصان کریں - بہرحال عرب کے اندر افراتفری تھی اور وہاں ایک ایسی صورتِ حال تھی جو انسان کے شایانِ شان نہیں تھی -

عرب کے باہر پر نظر ڈالیے ، وہاں ایک طرف ایران کی عظیم الشان سلطنت پائی (۹)
جاتی تھی - دوسری طرف بازنطینی یونانیوں کی حکومت پائی جاتی تھی اور آگے بڑھیں تو مصر میں ایک صورتِ حال ، جنوبی عرب میں ایک صورتِ حال ، ہندوستان میں ایک صورتِ حال ، چین میں ایک صورتِ حال ، غرضیکہ افراتفری ساری دُنیا میں پائی جاتی تھی اور امن ناپید ہو چکا تھا اور ہمسایہ ممالک ہر وقت لڑائی بھڑائی میں مشغول رہتے تھے -

اس کے بعد جب عہدِ نبوی شروع ہوا تو پہلے دن تو لوگوں نے اُس کو محض استعجاب کے طور پر دیکھا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں - جلد ہی جب اُس میں بت پرستی کی بُرائی اور دیگر برائیوں کا جو مُلک میں پائی جاتی تھیں ، ذکر سُنا تو اُن میں استعجاب کے بعد قبولیت کی طرف میلان کے بجائے نفرت پیدا ہوئی - خاص کر اس لیے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا تم جو بت پرستی کرتے ہو نہ صرف وہ تمھارے لیے بُری (بات) ہے بلکہ اور لوگ بھی ، تمھارے آبا و اجداد بھی اگر بت پرستی کرتے رہے ہیں تو خدا ان کو جہنم میں بھیجے گا ، (۱۰)
سزا دے گا -

"کیا میرے باپ ، میرے دادا کو (تم) جہنم میں بھیجتے ہو ؟"

یہ ایک احمقانہ طریقہ تھا سوچنے کا ، مگر یہی ہوا - چنانچہ اس کے ردِ عمل کے طور پر رسولِ اکرمؐ کو اذیت دی جانے لگی - رسولِ اکرمؐ پر ایمان لانے والوں کو اذیت دی گئی ، بلکہ ان میں سے بعض کو قتل بھی کیا گیا - ایک عورت خاص طور پر قابلِ ذکر ہے سمیہ اس کا نام تھا جو اصل میں ترک تھی اور ایک لونڈی کے طور پر ایران میں پہنچی تھی اور

ایران کے گورنر کے تحفے کے طور پر وہ مکّے آئی تھی - بہرحال وہ ایک ترک بہن تھی ، مسلمان ہوئی ، اُس کو ابوجہل نے قتل کر دیا -

غرضیکہ اذیت دہی کا سلسلہ ایک بحران کی شکل میں ملک میں پایا جاتا تھا اور ابتدائی دنوں کے بعد ہی ایک واقعہ پیش آیا جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ کہ رسول اللہ کے سرپرست اور بہی خواہ چچا حضرت ابوطالب کا انتقال ہوگیا - آپؐ کی عزیز بیوی حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوگئی -

عرب کے نظام میں معیشت کے لحاظ سے ایک دوسرا چچا قبیلے کا سردار بنتا ہے ، یہ تھا ابولہب ، اس نے یہ اعلان کیا کہ میں حضرت محمدؐ کو (اپنے قبیلے سے) خارج کرتا ہوں - اگر کوئی اُنھیں (ہلاک) بھی کر ڈالے تو میں اور میرا قبیلہ اس میں دخل نہیں دے گا - اور اس طرح سے گویا ملک سے باہر جانے پر آپؐ کو مجبور کر دیا گیا - ان حالات سے آپ واقف ہیں ، میں تفصیل میں نہیں جاتا صرف آخری نکتے پر پہنچتا ہوں -

ان حالات میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوچنے لگے کہ اللہ کے احکام کی تبلیغ کس طرح کروں - شہر مکہ میں آپؐ کو تقریر کرنے کی ممانعت ہے ، مکّہ کے لوگ آپ کی بات سننے کے لیے بھی آمادہ نہیں ، تو اتفاق سے ایک موقع تھا جس سے آپؐ نے استفادہ فرمایا - وہ یہ کہ حج کے زمانے میں لوگ مکّے اور اُس کے مضافات ، منیٰ و عرفات میں سارے عرب سے آتے تھے ، جن میں سے ظاہر ہے کہ سب کی اہل مکّہ کے ساتھ دوستی نہیں تھی ، مخالفین بھی کبھی آتے تھے - تو رسول اکرمؐ نے اس زمانے میں حج کے دنوں میں منیٰ اور عرفات میں اُن بیرونی مہمانوں سے ملاقات کا سلسلہ شروع کیا -

ہر شخص کے پاس جاتے تھے اور پوچھتے تھے کہ تم کس قبیلے کے ہو ، پھر اُس کو تبلیغ اسلام فرماتے تھے ، اور جو نکتہ میں خاص طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ آپؐ اگرچہ کہتے تھے کہ اگر تم میری بات مانو ، ——— یعنی خدا کے احکام کی تبلیغ میں میری مدد کرو تو جلد ہی قیصر اور کسریٰ کے خزانے تمھارے قدموں پر نچھاور ہو جائیں گے -

یہ تھا وہ عزم اور وہ ہمت جو کہنا چاہیے کہ ہمارے لیے سبق آموز ہے۔ مصیبتوں سے نہ گھبرائیں اور مصیبتوں کی کثرت سے ہم مایوس نہ ہوجائیں، بلکہ وہ کریں جو اللہ کے آخری نبیؐ نے کیا۔ وہ یہ کہ ان لوگوں سے کہتے ہیں کہ کام کرو، کام شروع کرو، اللہ تمھاری مدد کرے گا اور ان بڑی بڑی مشکلوں سے تم نہ گھبراؤ۔ یہ سبق آموز چیز ہے۔

آج بھی ہمارے لیے وہی مسئلہ درپیش ہے۔ ہمارے دشمن لاتعداد بھی ہیں، ہم سے قوی تر بھی ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ہم میں اندرونی جھگڑے بھی ہیں۔ بجائے اس کے کہ متحد ہو کر اپنے دفاع کی کوششوں میں مصروف ہوں ہم آپس کی لڑائیوں میں مشغول ہیں۔ یہ چیز اُس وقت بھی پائی جاتی تھی۔ عرب میں، عرب کے باہر ساری دُنیا میں، رسول اکرمؐ ہمت دلاتے ہیں، اور کام شروع کرو۔ دُنیا کی جو سپر طاقتیں ہیں یعنی قیصر اور کسریٰ وہ تمھارے قبضے میں آجائیں گی۔

جیسا کہ میں نے کہا کہ ہمارے دشمن بہت سے ہیں۔ ہم سے قوی تر بھی ہیں لیکن اُس سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دوسری چیز جس کا میں ذکر کر سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو ایک حدیث میں ذکر آیا ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر ہمارے پیغمبر حضرت محمدؐ تک ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر خدا نے بھیجے۔ ان ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کے ہمیں نام بھی معلوم نہیں، مقام بھی نہیں معلوم ہیں اور کاموں کی تفصیل بھی معلوم نہیں ہے۔ لیکن یقیناً کئی سو مذہب پیدا ہوئے ہوں گے۔

ایک دلچسپ حدیث فتوحاتِ مکیہ میں حضرت ابنِ عربی نے لکھی ہے۔ معلوم نہیں کس حد تک صحیح ہے لیکن دلچسپ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے اور ہم آخری آدم کی اولاد میں ہیں۔ اس سے آپ اندازہ کیجیے کتنے کروڑ کتنے ارب سالوں سے انسانیت پائی جاتی تھی کہ ایک لاکھ آدم پیدا ہوئے ہوں اور ان کی ذریّت (اولاد) پھیلی ہو۔ بہرحال عرض کرتا یہ ہے کہ ہم سابقہ پیغمبروں کے حالات پر نظر ڈالیں جس حد تک بھی ہمارے امکان میں ہے، جس حد تک بھی معلومات ہم تک پہنچی ہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ اسلام اور اسلام سے قبل کے مذاہب میں بعض چیزوں

کی حد تک تو اتفاق پایا جاتا ہے۔ مثلاً خدا کو ایک ماننا، لیکن بعض چیزوں کی حد تک اس میں فرق بھی نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے پاس صحیح معلومات موجود نہیں ہیں جو قابلِ اعتماد ہوں۔ لیکن جس حد تک بھی ذرائع معلومات سے معلوم ہوتا ہے، حضرت عیسیٰ کو لیجیے۔ انجیل جو ہمارے پاس عیسائیوں کے ذریعے سے پہنچی ہے اُس میں حضرت عیسیٰ کا قول ہے کہ مجھے دُنیا کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گویا ان کی تعلیم روحانی ہوگی، روحانی معاملات کے لیے ہوگی۔ شاید عقائد کے لیے ہوگی۔ لیکن عام معاملات خاص کر سیاسی اور حکومتی معاملات میں اُنھیں نہ کوئی دلچسپی ہے اور نہ وہ اُس کے لیے کوئی احکام دیتے ہیں۔

آج ہم سوچیں کہ اگر ہم اپنے کاموں سے حکومت کا حصول اور سیاسیات کو خارج کر دیں تو شاید کوئی دلچسپی کی چیز ہمارے پاس باقی نہیں بچے گی۔ آج ہر شخص حکومت کے متعلق ہی کوشش کرتا ہے۔ پارلیمنٹ کے انتخاب میں اس کا چناؤ ہو جائے، وزیر بنے، صدر حکومت بنے، وغیرہ وغیرہ۔

ہم دیکھیں گے مقابلہ کرتے ہوئے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنے آپ کو سیاسی معاملات سے بالکل خارج رکھتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ پہلے ہی دن سے نام لیے بغیر حکومت قائم کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ ابھی تھوڑی سی تفصیل میں آپ سے عرض کروں گا۔ یہ ایک طرف، دوسری طرف حضرت عیسیٰؑ کا ایک قول انھی عیسائیوں کی فراہم کردہ انجیل میں یہ بیان ہوا ہے۔

"میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لیے آیا ہوں، غیر قوموں سے مجھے کوئی تعلق نہیں ہے۔" حتیٰ کہ ایک دن ایک غیر یہودی عورت حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئی اور چاہا کہ ان کا دین قبول کرے۔ ان کے الفاظ جو انجیل میں ہیں اس سے، ہمیں حیرت ہی ہوتی ہے، وہ یہ ہیں کہ بچوں کی روٹی کتوں کے سامنے نہیں ڈالی جا سکتی۔ اُس کا ایمان قبول کرنے سے آپ نے انکار کر دیا۔

اُس کے برخلاف ہم اپنے پیغمبر حضرت محمدؐ کے متعلق دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے خاندان

کے لوگوں کے لیے ہی کام نہیں کرتے بلکہ سبھی لوگوں کے لیے کام کرتے ہیں۔ اوّلین مسلمانوں میں کالے بھی ہیں، گورے بھی ہیں، ایرانی بھی ہیں، ترک بھی ہیں، غرضیکہ ساری دُنیا کے لوگوں کے لیے آپؐ کام کرتے ہیں۔ جس سے ہمیں معلوم ہوسکتا ہے کہ کیوں حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی سیرت (طیّبہ) ہمارے لیے قابلِ عمل نمونہ ہے، اور کس طرح ہم اُس سے آج بھی فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔

میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا کہ ہجرت سے قبل آپؐ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم مجھ پر ایمان لاؤ، میری مدد کرو تو قیصر و کسریٰ کے خزانے تمھارے قدموں پر نچھاور ہوجائیں گے اس سلسلے میں ایک پس منظر یاد آتا ہے اُس کا میں آپ سے ذکر کرتا ہوں۔

رسول اللہ کی وفات پر مسلمانوں کی حکومت اور قیصر کی حکومت، یعنی بازنطینی یورپ کے یونانی حکمرانوں میں جھگڑے پیدا ہوگئے تھے۔ اس نے ایک مسلمان سفیر کو قتل بھی کر دیا تھا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ایک سفارت بھیجی قیصر سے ملاقات کرنے کے لیے تاکہ اُس سے کہیں کہ لڑائی بھڑائی کی جگہ دوستانہ تعلق رکھو۔ تمھارے لیے بھی یہ بھلائی کی چیز ہوگی اور ہمارے لیے بھی بھلائی کی چیز ہوگی، کیوں آپس میں لڑیں۔ یہ پیغام بھیجنے کے وقت جن لوگوں کو روانہ کیا گیا تھا، ان کی روایت کردہ تفصیل میں آپ کو سناتا ہوں۔

ایک سرکاری تقریب ہوئی، وہاں گفتگو ہوئی، وہاں بحث ہوئی اور اس کے بعد قیصر نے اس سفیر کو ایک دن پرائیویٹ ملاقات کے لیے اپنے گھر بلایا۔ جب وہ بادشاہ کے محل میں پہنچے تو اُس نے ایک خادم کو حکم دیا کہ ایک صندوق لاؤ۔ صندوق لایا گیا، صندوق میں ڈبے بہت سے پائے جاتے تھے۔ اُس نے ان کو کھولا اور اس میں سے ایک تصویر نکالی اور سفیر سے پوچھا:

تم جانتے ہو یہ کس کی تصویر ہے؟

جواب دیا نہیں۔

اُس نے کہا کہ یہ حضرت آدمؑ کی تصویر ہے۔

پھر اُس کے بعد ایک دوسری تصویر نکالی، اس میں بھی دریافت کیا شاید حضرت

نوح ؑ کا ذکر ہو (تصویر ہو) پھر اس نے ایک اور تصویر نکالی، پوچھا:-

تم جانتے ہو یہ کون ہیں ؟

سفیر نے فوراً جواب دیا: ہاں یہ ہمارے پیغمبر ؐ ہیں، حضرت محمد ؐ ہیں ۔ تو قیصر اچھلے میں پڑ کر کرسی پہ بیٹھ گیا اور کہا تمھیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ واقعی یہ تمھارے پیغمبر ؐ کی تصویر ہے، اُنھوں نے کہا ہاں بالکل اُسی طرح جیسے ہم آپ کو دیکھا کرتے تھے، تو اس وقت اُس نے اقرار کیا کہ صندوق میں جو ڈبے ہیں، یہ آخری ڈبے کی چیز تھی صرف تمھاری آزمائش کے لیے اُسے میں نے پہلے نکال کر پوچھا، ورنہ اگر ترتیب سے آتا تو آدم ؑ اور نوح ؑ اور موسیٰ ؑ اور عیسیٰ ؑ اور فلاں اور فلاں تو تم اندازہ کر لیتے کہ یہ تمھارے پیغمبر ؐ کی تصویر ہوگی۔ لیکن اب تمھارے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ بہت سی اسلامی تاریخی کتابوں میں یہ قصّہ موجود ہے۔ بہت سی اور تفصیلیں ہیں میں اس میں نہیں جاتا، لیکن یہ تصویریں کہاں سے آئیں، شاید یہ دلچسپی کا موجب ہو۔

چنانچہ واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ قیصر روم کے ہاں فرنگی بیان کے مطابق ایک کتاب تھی، "ہمارے ملک کا مستقبل بالتصویر" اس میں ہر زمانے کے حالات کا ذکر تھا۔ دونوں کو اگر ملائیں تو معلوم ہوتا ہے شاید اُسی بڑی (مصوّر) کتاب کا ایک جزو تھا جو بادشاہ نے مسلمان سفیر کو دکھایا تھا۔ اس کی تاریخ پر جائیں تو فرنگی مولوی بیان کرتے ہیں کہ حضرت دانیال ایک پیغمبر تھے، اُنھوں نے اللہ سے دُعا فرمائی سکندر اعظم کی درخواست پر کہ مجھے فلاں چیز دکھائی جائے۔ حضرت آدم کا خزانہ کہاں تھا وہ بتایا جائے تو کہتے ہیں کہ حضرت دانیال کے ذریعے سے حضرت آدم ؑ کے خزانے میں جو (دفینہ) چلا آرہا تھا اُس کے اندر سے لی ہوئی چیزیں تھیں۔ یہ تصویریں تو جیسے ہمارے ہاں بھی یہ روایت ہے، ایک مرتبہ حضرت آدم ؑ نے خدا سے دُعا فرمائی تھی کہ میری اولاد میں جو پیغمبر ہوں گے، مجھے بتایئے وہ کون ہوں گے۔ اس طرح کی حدیث مسلمانوں کے ہاں بھی ملتی ہے۔ ان دونوں کو ملائیں تو باہمی ربط نظر آتا ہے۔

بہر حال قصہ مختصر یہ کہ انتہائی مصیبتوں کے زمانے میں مایوس کن حالات میں آس پاس کے دشمنوں کی عظیم الشان قوت کی موجودگی کے باوجود عزم راسخانہ رکھتا اور ہمتِ بے پایاں کو رکھ کر کام کیے چلے جانا، نتیجہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن ہمارا فریضہ صرف یہ ہے کہ کام کیے جائیں تو خدا تعالیٰ اس میں کامیابی دیتے ہیں ۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے ایک جامع دین پیش کیا اور اس کے لیے
ایک ہمہ گیر کوشش کا آغاز فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ وہ کوشش کامیاب ہو ۔
ورنہ سینکڑوں پیغمبر ایسے گزرے ہیں جن کی قوم نے اُنھیں قتل کر دیا اور ان کے ۱
متعلق ان کے احکام، ان کی تعلیم، کوئی آثار اب باقی ہی نہیں ہیں ۔

اس کے برخلاف جب پیغمبر اسلامؐ نے مکّے کے حالات میں مایوسی پائی اور کہنا چاہیے ادب کے ساتھ کہ مجبور ہوگئے کہ اپنے وطن کو ترک کر دیں، مدینے تشریف لے جائیں اور مدینے میں کوشش کا آغاز کریں تو وہاں ہمیں یہ چیز نظر آتی ہے کہ سب سے پہلا کام جو حضورؐ نے وہاں پہنچ کر فرمایا وہ یہ تھا کہ بے وطن پناہ گزینوں کی گزر بسر کا انتظام کیا ۔ یعنی جو مکّے کے مسلمان یا نو مسلم تھے اور مدینے پہنچے تھے ان کے پاس ذرائع معیشت نہیں تھے تو ان کے لیے کوئی گزر اوقات کا انتظام فرمائیں ۔ مواخات (بھائی چارے) کے ذریعے سے یہ کام انجام پایا ۔ یعنی مہاجرین کو ملک کی معاشرت اور معیشت میں ضم کر دینا ۔ پلک جھپکانے کا وقت لیا اور کام پورا ہوگیا ۔

اس کے بعد دوسرا کام جو آپؐ فرماتے ہیں وہ یہ تھا کہ بیرونی حملوں کے خدشے سے اپنے مستقبل کی حفاظت کے متعلق تدبیر اختیار کریں ۔ چنانچہ حقیقتاً اہل مکّہ، مشرکین مکّہ نے یہ خط لکھا مدینے کے مسلمانوں، انصار کے نام کہ تم نے ہمارے ایک دشمن کو پناہ دی ہے یا تو اُسے قتل کر ڈالو یا اُسے اپنے ملک سے نکال باہر کرو ورنہ ہم تمھارے متعلق وہی کام کریں گے جو ہمیں مناسب معلوم ہوگا یعنی حملے کی دھمکی دی ۔ ان حالات میں دفاع کا انتظام مقدم ترین تھا اور ملک کی صورتِ حال یعنی مدینہ

منورہ کا حال یہ تھا کہ وہاں یکجہتی نہیں پائی جاتی تھی۔ وہاں عرب بھی تھے، وہاں یہودی بھی تھے، وہاں عیسائی بھی تھے، وہاں یہ نو آمد مسلمان اور اجنبی پناہ گزین بھی تھے، تو کیا کیا جائے؟ رسولِ اکرمؐ نے ایک دعوت بھیجی شہر کے تمام عناصر کے سرکردہ لوگوں کو کہ میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اس میں یہودی بھی آئے، نصرانی بھی آئے، نومسلم بھی آئے اور غیر مسلم بھی آئے۔ اُن سے مخاطب ہو کر حضورؐ نے فرمایا:

ملک کی افراتفری کے باعث، آپس کے لڑائی جھگڑوں کے باعث ہمارے لیے خطرہ ہے کہ اگر کوئی اجنبی ہم پر حملہ کرے تو ہم نقصان اُٹھائیں اور ہم اُن کا مقابلہ نہ کر سکیں۔ اس لیے بہتر ہے کہ ایک چھوٹی سی حکومت، سلطنت قائم کی جائے۔ ہر قبیلے کو آزادی رہے گی لیکن ایک مرکز بھی ہوگا اور وہ مرکز ان کے مفاد کے لحاظ سے تدبیریں اختیار کرتا رہے گا۔

اس کو سب لوگوں نے قبول کیا۔ یہودیوں نے بھی قبول کیا، اور بت پرست عربوں نے بھی قبول کیا، اور مسلمان تو ظاہر ہے کہ وہ رسول اللہ کی مرضی کو دیکھ کر اس سے متفق تھے۔ اس وقت آپ نے شہر مدینہ کے ایک جزو میں، مدینہ بہت چھوٹا شہر ہے۔ شہر مدینہ میں نہیں بلکہ شہر مدینہ کے ایک جزو (حصے) میں ایک حکومت قائم فرمائی، ایک سلطنت قائم فرمائی شاید چند مربع میل کا رقبہ ہوگا، اور جو چیز قابل ذکر ہے، اور جو حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ آپؐ نے اُس سلطنت کا دستور تحریر فرمایا۔ تاریخ عالم میں نہ ایران و روما میں، نہ چین میں، نہ ہندوستان میں، نہ امریکہ میں، کسی بھی سلطنت کا دستور تحریری طور پر مرتب نہیں پایا جاتا تھا۔

تاریخِ عالم میں پہلی دفعہ اُمّی رسولؐ نے سلطنت کا دستور تحریری طور پر مدوّن فرمایا جو ہم تک پہنچا ہے۔ اس کی دفعات پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہر قسم کی تفصیلات موجود ہیں جو اس زمانے کی ضرورتوں کے لیے بھی کافی تھیں، اُن میں سے بہت سی آج بھی ہمارے لیے کارآمد ہیں۔

جب یہ سلطنت قائم ہوئی تو اس میں چند یہودی قبیلے بھی شریک ہوئے،

سب نہیں ہوئے۔ عیسائیوں کی تعداد کم تھی وہ شخصی حلبن کے باعث، کہنا چاہیے کہ اس میں شریک نہیں ہوئے، لیکن جو باقی عرب تھے، مسلمان بھی اور غیر بھی وہ اس میں شریک ہوئے۔ اور جس چیز پہ ہمیں حیرت ہوتی ہے وہ یہ کہ یہودیوں نے بھی جو مدینے میں تھے پسند کیا کہ اس سلطنت کے صدر یہ اجنبی شخص رسولِ اکرمؐ ہوں۔ اُنھیں اہل مدینہ پر اعتماد نہیں تھا۔ لیکن خیال کیا کہ یہ شخص اجنبی ہے، غیر جانبدار رہے گا اور وہ ہمارے ساتھ انصاف کرے گا۔ چنانچہ وہ اس سلطنت میں شریک ہوتے ہیں اور اُنھیں اُس کے حقوق بھی دیے گئے ہیں۔ چنانچہ نہ صرف یہ کہ اندرونی عبادت کی آزادی دی گئی، بلکہ دستور میں لکھا ہے کہ اُنھیں عدل و انصاف کی بھی آزادی ہوگی یعنی اگر کوئی جھگڑا دو یہودیوں میں پیدا ہو جائے تو حاکمِ عدالت بھی یہودی ہوگا اور قانون بھی یہودی ہوگا۔ اور فریقین مقدمہ بھی یہودی ہوں گے۔ اُنھیں کلیتاً آزادی ہوگی اور مرکزی حکومت کی طرف سے اُس حاکم عدالت کے فیصلے میں کوئی دخل اندازی نہیں کی جائے گی، اُس کو بعینہٖ نافذ کیا جائے گا۔

اس کام سے فراغت پانے کے بعد آپؐ دیکھتے ہیں کہ مدینے کی قوت محدود ہے اور مکہ مقابلتاً زیادہ قوی ہے۔ اگر وہ حملہ کرے تو ہم اپنی مدافعت نہیں کر سکیں گے اس کا حل آپؐ نے فوراً یہ سوچا کہ مدینے کے آس پاس شمال جنوب، مشرق مغرب ہر مقام پر جو آزاد عرب قبیلے رہتے ہیں ان سے تعلق پیدا کیا جائے۔ اور حضورؐ تشریف لے جاتے ہیں جہینہ کے قبیلے کے پاس۔ مثلاً جو مدینے کے شمال میں بستا تھا اور ان سے کہتے ہیں:

دوستو! تم اس وقت آزاد ہو، جو چاہے کرو، جو چاہے نہ کرو۔ کوئی تمھیں مجبور نہیں کرتا۔ لیکن تم ہو تنہا۔ اگر کوئی تمھارا دشمن تم پر حملہ کرے اور تمھاری ذاتی قوت اتنی نہ ہو کہ اس قوی تر دشمن سے مقابلہ کر سکو تو تمھیں کوئی مدد دینے والا بھی نہیں ہوگا۔ ان حالات میں کیا یہ مناسب نہیں کہ ہم دونوں میں حلف (معاہدہ) ہو جائے۔ اگر کوئی تم پر حملہ کرے تو تم ہمیں اطلاع دو، تو ہم دوڑے ہوئے آئیں گے اور تمھاری مدافعت

میں تمھارے ساتھ شریک رہیں گے۔ اگر اسی طرح کوئی ہم پر حملہ آور ہو، اپنے طور پر نہیں بلکہ اگر ہم تم کو بلائیں تو تم بھی ہماری مدد کو آؤ گے۔ یہ باہمی حلف ہمارے لیے، تمھارے لیے، ہم دونوں کے لیے مفید ہوگا۔ بات معقول تھی، انھوں نے قبول کر لی۔

اس میں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ وہ قبیلہ تھا غیر مسلموں کا۔ رسول اکرمؐ اسلامی حکومت کی مدافعت کے لیے غیر مسلموں سے حلف (قائم) کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں پاتے تھے۔ یہ ایک پہلو تھا۔ پھر اسی طرح مختلف مقامات پر تشریف لے گئے اور ایک طرح سے کہنا چاہیے کہ اسلامی مملکت جو شہر مدینہ کے ایک گوشے میں پائی جاتی تھی، اس کے اطراف میں دوستوں کا ایک حلقہ ڈال دیا۔ کوئی اجنبی حملہ آور ہو تو اس کو عملاً مسلمانوں کے دوست قبائل سے گزرنا پڑے گا اور اس کے بعد مدد کے لیے یہ سب لوگ بھی دوڑیں گے اُنھیں بچانے اور اُنھیں روکنے کے لیے۔ تو غرضیکہ ایک جال ڈال دیا گیا حلیفوں اور دوستوں کا۔

یہ ایک طرف، دوسری طرف اسلام کی تبلیغ میں آپؐ مشغول رہے اور اسلام کی تبلیغ اس معنی میں اہمیت رکھتی ہے کہ ساری چیزیں بیک وقت نافذ نہیں ہوئیں۔ رفتہ رفتہ ایک کے بعد ایک، اور تجربوں سے فائدہ اُٹھا کر۔ اگر چاہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ نئے احکام دیے گئے۔

اب آغازِ اسلام پہ ہمیں صرف دو چیزیں ملتی ہیں۔ شہادت لا الٰہ الا اللہ، بت پرستی سے انکار ایک چیز ــــ دوسری طرف نماز۔ صرف یہ دو واجبات تھے باقی چیزیں روزہ اور حج اور زکوٰۃ وغیرہ وہ نہیں پائی جاتی تھیں۔ یہ بعد میں رفتہ رفتہ آتے ہیں، تو یہ بھی ہمارے لیے سبق آموز ہے کہ ان سارے کاموں کو بیک وقت شروع کرنے کے بجائے تقسیم کار بھی کرو اور بتدریج بھی کرو۔ یہ بھی ہمارے لیے ایک سبق آموز نمونہ ملتا ہے۔ ایک چیز پہ میں (اس بیان کو) ختم کرتا ہوں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ حکومت جو پیغمبرِ اسلام نے قائم فرمائی، کچھ اس کی تحلیل کریں کہ وہ کیسی تھی؟ کیا وہ بادشاہت تھی؟ کیا وہ جمہوریت تھی؟ کیا وہ

یونیٹری (وحدانی) حکومت تھی؟ کمپوزٹ حکومت تھی؟ اگر ان چیزوں کو سوچیں تو اس میں بھی ہمارے لیے سبق ہے۔ خیال فرمائیے کہ میں نے ابھی آپ سے ذکر کیا کہ مسلمانوں پر مصیبت کا زمانہ تھا، خاص کر مکّے میں، اور اس سلسلے میں رسولِ اکرمؐ نے مکّی نومسلموں سے فرمایا تھا کہ اگر تمھارے لیے یہ صورت حال، یہ اذیت دشمنوں کی ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے تو تم ملک چھوڑ کر حبشہ چلے جاؤ جہاں ایک عیسائی حکمران ہے لیکن اس کے ملک میں انصاف ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو غیر مسلم علاقے میں جاکر پناہ گزین ہونا یہ خود رسولِ اکرمؐ فرماتے ہیں۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اُس ملک میں انصاف ہوتا ہے۔ تو معیار کیا ہونا چاہیے، اُس کی ہمیں تفصیل ملتی ہے۔ ۱

اس کے بعد اور آگے چلیے۔ جب مدینہ منوّرہ میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی وہ شاید چند مربع میل کے رقبے پر مشتمل تھی۔ جب آپؐ کی کوئی دس سال بعد وفات ہوئی تو اس مملکت کا رقبہ پھیلتے پھیلتے دس لاکھ مربع کلومیٹر کا ہو گیا۔ سارا جزیرہ نمائے عرب، جنوبی عراق، جنوبی فلسطین، رسولِ اکرم کے علاقے کے اجزا تھے۔ آپؐ کی حکومت کو مانتے تھے اور اس اسلامی حکومت کے اجزا تھے، جو شاید چار مربع میل ہو —— ایک ملین مربع میل کا فرق فوراً ہمارے سامنے آتا ہے کہ یہ اُس کوشش کا نتیجہ تھا۔

ایک دوسری چیز لیجیے، تعداد میں مسلمانوں کی آغازِ اسلام پر سوائے حضورؐ کے کوئی مسلمان نہیں تھا۔ ایک دن بعد ایک کا اضافہ ہوا۔ یہ آپؐ کی عزیز بیوی حضرت خدیجہ تھیں۔ ایک سے بھی ظاہر ہے کام نہیں بنتا، پھر اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ وغیرہ رفتہ رفتہ ایک دو تین چار، تعداد بڑھتی گئی مگر مصیبتیں بھی بڑھتی گئیں۔ جیسا میں نے ابھی آپ سے بیان کیا کہ حضرت سمیّہ جو ترک تھیں اُن کو قتل بھی کر دیا گیا، تو عرض کرنا یہ ہے کہ تبلیغ اسلام کی کوشش جاری رہی۔ آغاز پر مٹھی بھر مسلمان تھے۔ لیکن جب حضورؐ کی وفات ہوئی تو ایسا نظر آتا ہے کہ میرے اندازے میں نصف ملین لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔

یہ اندازہ میں نے کس طرح لگایا، ابھی آپ سے بیان کروں گا۔ لیکن حال ہی میں

پیرس میں میں نے ایک عیسائی پادری سے سوال کیا کہ حضرت عیسٰی جب دُنیا میں تھے تو اس وقت کتنے لوگ عیسائی تھے، آج کل کتنے ہیں؟ یہ نہیں پوچھا بلکہ حضرت عیسٰی کی دنیاوی زندگی میں کتنے لوگوں نے ان کا دین قبول کیا تو کچھ ناپسندیدہ حالات میں اس نے کہا کہ شاید تیس چالیس ہوں گے۔ خیال فرمائیے تیس چالیس، اور دوسری طرف نصف ملین لوگ رسولِ اکرمؐ کے ہاتھ پر ایمان قبول کرتے ہیں۔ یہ نصف ملین کی تعداد میں نے کیسے سوچی، وہ بھی آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

اس زمانے میں کوئی اعداد و شمار اکٹھے نہیں کیے جاتے تھے۔ اور کوئی مردم شماری نہیں ہوتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی تعداد کا ذکر آتا ہے مختلف سلسلوں میں۔ مثلاً اس جنگ میں اتنے سپاہی تھے، دشمن کے اتنے اور ہمارے اتنے وغیرہ وغیرہ۔ تو اُسی سلسلے میں لکھا ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ اکرم کی وفات سے چند مہینے پہلے جو حج ہوا تھا اور جس میں رسول اللہؐ بھی شریک ہوئے تھے، ایک لاکھ چالیس ہزار لوگ شریک تھے۔ یہ سب مسلمان تھے۔ ایک لاکھ چالیس ہزار وفات سے چند مہینے پہلے مسلمانوں کی تعداد نہیں ہے، بلکہ اس حج میں آنے والوں کی تعداد ہے۔

ظاہر ہے کہ سارے لوگ نہیں آئے ہوں گے۔ کوئی بڈھا ہے، کوئی بیمار ہے، کسی عورت کی زچگی ہوئی ہے۔ غرضیکہ مختلف عناصر آبادی کے ایسے ہیں جو نہیں آئے ہوں گے، اور حج ہر سال فرض بھی نہیں تھا، اس کے متعلق حکم تھا کہ عمر میں ایک بار حج کرو اگر اس کا امکان پاؤ۔ مفلسوں کے لیے اس سے معافی ہے۔ وہ ایک لاکھ چالیس ہزار حاجیوں کی موجودگی سے میں نے گمان کیا کہ شاید پانچ لاکھ مسلمان ہوں اُس سارے ملک میں، حجاز میں۔ نجد میں، شمالی عرب میں، جنوبی عرب میں اور ممکن ہے کہ ہندوستان اور چین میں بھی۔ ایک مختصر ذکر اُس کا بھی کرتا ہوں۔

ہندوستان کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے کہ ہجرت سے قبل ایک رات مالیبار کا ایک راجہ رات کو کسی ضرورت سے آسمان پر نظر ڈالتا ہے تو ششدر ہو جاتا ہے۔ اس نے دیکھا کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ شق القمر کا ہمارا جو معجزہ ہے

راجہ نے یہ ماجرا اپنے وزیر سے بیان کیا، اس نے کہا میں تو کچھ نہیں جانتا، لیکن ایک چیز مجھے معلوم ہے۔ حضور (بادشاہ) کے آباؤ اجداد جو حکمران گزرے ہیں انھوں نے کسی ذریعے سے کچھ چیزیں معلوم کی تھیں رازکی۔ ان کو ایک ڈبے میں رکھ کر اُن پر مُہر لگائی ہے جو سرکاری خزانے میں موجود ہے اور حکم ہے کہ اسے کبھی نہ کھولو۔ شاید اس ڈبے کے اندر اس کا کچھ ذکر ہو۔ میں اگر خزانچی سے کہوں گا تو مجھے نہیں دے گا۔ اگر حضور فرمائیں تو وہ ڈبہ لائے گا اور ہم کھول کر دیکھ سکیں گے۔

چنانچہ واقعتاً ہوا یہی۔ اُس ڈبے کو منگوایا گیا، اسے کھولا گیا۔ اس کے اندر ذکر تھا پُرانے راجہ کا، اس موجودہ راجہ کے آباؤ اجداد میں سے کسی کا، جس میں لکھا تھا کہ آخری پیغمبر کے زمانے میں ایک مرتبہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے۔ وہ آخری نبیؐ ہے یہ اس کا معجزہ ہے۔ تم اس کی خلاف ورزی کبھی نہ کرنا، اس کی بات ماننا۔

اس پر راجہ نے اپنے بیٹے کو اپنی جگہ حکمران بنا دیا اور (خود) چلا گیا مکّہ معظمہ، وہاں اس نے اسلام قبول کیا۔ اس وقت رسولِ اکرمؐ نے اسے حکم دیا کہ یہاں نہ رہو شاید اس لیے کہ عرب میں امن نہیں تھا۔ مسلمانوں پر ظلم وستم ہو رہا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنے ملک ہی کو واپس جاؤ، اپنے ملک ہی میں اس مذہب کی تبلیغ کرو۔

چنانچہ وہ مکّے سے واپس ہوتا ہے خشکی کے راستے سے یمن تک، تاکہ یمن میں کسی جہاز پر سوار ہو کر مالیبار واپس جائے، لیکن وہاں وہ بیمار پڑا، وہیں اس کی وفات ہوئی اور صدیوں تک اس کا مزار ایک عام زیارت گاہ بنا ہوا تھا۔ اسے لوگ ملک الہند کہہ کر پکارتے تھے کہ ہندوستان کے بادشاہ کا مزار ہے۔ یقیناً اس کے جو ساتھی ہوں گے وہ واپس گئے ہوں گے۔ وہاں ان چیزوں کا ذکر کیا ہو گا اور ممکن ہے کہ وہاں عہدِ نبوی ہی سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا ہو۔

اسی طرح چین کے مسلمانوں میں ایک روایت ہے جس سے ہم عام طور پر واقف نہیں ہیں۔ وہاں کے چینیوں میں یہ قصّہ مشہور ہے کہ رسول اکرمؐ نے ایک سفیر (چین میں) بھیجا تھا، جو آپؐ کے چچا یا خالو کوئی قریبی رشتے دار تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ یا

کوئیؓ اور صحابیؓ ـــــ اُنھوں نے وہاں اسلام کی تبلیغ کی تھی۔ اس کے حالات کی تفصیل ہمیں عام تاریخوں میں نہیں ملتی صرف چینی روایتوں میں اس کا ذکر ملتا ہے، اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ کس طرح اسلام کی تبلیغ کی کوششیں ہوتی رہی ہیں۔

قرآن میں رسول اللہ کا فریضہ واجبہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ط (الانعام: ۹۲) رسول اللہ کا شخصی طور پر تبلیغی کام انجام دیتے رہنا یہ شہر ام القریٰ میں یعنی مکّہ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں۔ لیکن آپؐ نبی ہیں وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: ۲۸) ساری دُنیا کے لیے آپؐ بھیجے گئے ہیں اور قیامت تک کے لیے، تو اس کا حل کیا کریں۔

دو چیزیں نظر آتی ہیں جو حضورؐ نے اختیار فرمائیں۔ ایک تو چھوٹی چھوٹی جماعتوں کو مختلف علاقوں میں تبلیغ کے لیے بھیجا جاتا تھا، اس میں کچھ کامیابی بھی ہوتی تھی اور ناکامی بھی ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ آپؐ نے ایک اور تدبیر اختیار فرمائی جو دلچسپ ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کے مختلف ملکوں کے حکمرانوں کو خط لکھ کر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ایسے کتنے خطوط تھے، صحیح معلوم نہیں، لیکن کم از کم چھ خطوط اصلی دستاویزیں ہم تک پہنچی ہیں۔ چنانچہ ایک قیصر روم کے نام تھا، ایک کسریٰ ایران کے نام تھا، ایک حکمران مصر کے نام تھا، ایک نجاشیؒ حبشہ سے متعلق تھا، اس طرح مختلف حکمرانوں کو خطوط بھیجے گئے تھے، اُنھیں اسلام کی تبلیغ کی گئی تھی اور حضورؐ چاہتے تھے کہ تبلیغ کا ایک ہی طریقہ نہ ہو، ہر ممکن طریقہ کوشش کر کے دیکھا جائے۔

یہ ایک نمونہ ہے ہمارے لیے اس معنی میں کہ اگر ہم اپنے زمانے میں اور چیزوں کے ساتھ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو کس طرح کریں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ کا طریقہ اس بارے میں کیا رہا ہے۔ (باقی آئندہ)